© rasailojaraid.com

ترجمہ وتلخیص

سیرت نگاری کی تاریخ پر ایک نظر

مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری، عبد الحفیظ شلبی

مترجم:- ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

کتبِ سیرت میں جتنی شہرت اور مقبولیت سیرتِ ابن ہشام کو حاصل ہوئی اتنی کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ متعدد مصنفین نے اس کی شرحیں کیں، خلاصے تیار کیے، منظوم کیا اور مختلف زبانوں میں ترجمے کیے۔ اس کے علاوہ اب تک اس کے پندرہ ایڈیشن سے زائد منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ۱۹۳۷ء (۱۳۵۶ھ) میں محی الدین عبد الحمید کا محقق ایڈیشن چار حصوں میں المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر سے شائع ہوا۔ یہی ایڈیشن دوبارہ ۱۹۷۱ء میں چھپا۔ اس کے مقدمے میں سیرت نگاری کی تاریخ پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصر کے مشہور محقق عبد السلام ہارون نے تہذیب سیرۃ ابن ہشام کے نام سے اس کی تلخیص کی۔ اس کا چوتھا ایڈیشن کویت سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس پر بھی ایک مختصر مقدمہ ہے۔

۱۹۳۶ء میں سیرتِ ابن ہشام کا ایک نفیس ایڈیشن مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری اور عبد الحفیظ شلبی کی تحقیق کے ساتھ مطبعۃ الحلبی مصر سے چار حصوں میں شائع ہوا ہے۔ چند سال قبل ۱۹۹۴ء (۱۴۱۵ھ) میں دار احیاء التراث العربی بیروت سے بھی اس کی اشاعت ہوئی ہے۔ یہ ایڈیشن زیادہ محقق ہے۔ اس پر ان محققین نے ایک بیش قیمت مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں سیرت نگاری کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اہم سیرت نگاران کا تعارف کرایا ہے۔ یہاں کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ——— (ادارہ)

"مغازی" اور "سیر" کے الفاظ کا استعمال جب مطلق ہوتا ہے تو مسلم مورخین ان سے عربوں کی تاریخ کا اولین صفحہ مراد لیتے ہیں، وہ صفحہ جس میں اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربوں کو رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لیے جہاد کی تاریخ رقم ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش، آپ کے آباد اجداد اور نبوت سے قبل آپ کی زندگی کے واقعات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

رسالتِ محمدی کا ظہور پوری انسانیت کی تاریخ میں عام طور پر اور عربوں کی تاریخ میں خاص طور پر ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لیے کہ عربوں کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آپ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے گرد گردش کرتی تھی۔ وہ کہیں اکٹھا ہوتے تو آپ ہی ان کا موضوع گفتگو ہوتے، اور کہیں سے اٹھتے تو آپ ہی کے بارے میں منصوبے تیار کر کے اٹھتے۔ ان کی محفلوں میں چرچا ہوتا تو بس آپ کا اور ان کی فوجی ٹولیاں اور لشکر فوج کشی کے لیے روانہ ہوتے تو آپ ہی سے مقابلے کے لیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے انھیں اسلام پر مجتمع کر دیا اور وہ سخت جاہلیت اور شدید گمراہی سے نکل کر نورِ ہدایت میں آ گئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب قوم جس کی دیگر قوموں کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی اور جو ارد گرد کے لوگوں کی دست درازیوں سے محفوظ نہ تھی، زندگی کے میدانوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے لگی، انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے کا فریضہ انجام دینے لگی اور بلند ہمتی، شجاعت، ایثار، حمایتِ حق اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور اچھے اخلاق سے بہرہ ور ہونے میں اس کی مثال دی جانے لگی۔

یہ ہے خلاصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سیرت کا، جنھوں نے آپ کی پیش کردہ ہدایت اور دینِ حق کا اتباع کیا، اور زندہ جاوید کارنامے انجام دے کر مجد و شرف اور عظمت و فخر کے صحیفے رقم کیے۔

پھر بعد میں آنے والے بعض قائدین میں بغض و حسد سرایت کر گیا۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ امت مختلف راستوں پر چل پڑی اور ان کی دلچسپیاں جدا جدا ہو گئیں۔ اس طرح ان کی ایک نئی تاریخ مدون ہوئی۔ پھر جوں جوں امت ملکوں اور حکومتوں میں تقسیم ہوتی گئی، ان کی تاریخ بھی الگ الگ ہو گئی۔ ہر حکومت کی، اس کے نئے جغرافیہ اور دیگر حکومتوں کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایط کے ضمن میں مخصوص تاریخ وجود میں آئی۔

عربوں کے نزدیک تاریخ نویسی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کے یہاں تاریخ کے فن میں کوئی چیز نہیں تھی، سوائے جاہلیتِ اولیٰ کی چند خبروں کے جو زبانی روایات کی شکل میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی آئی تھیں اور جوان کے درمیان عام تھیں۔ مثلاً ان کے آباؤ اجداد کے واقعات اور انساب اور ان سے متعلق مشہور ایسے قصے جن سے ان کی شجاعت، سخاوت اور وفاداری کا اظہار ہوتا تھا۔ یا خانۂ کعبہ، زمزم اور قبیلۂ جرہم کے بارے میں ان تک پہنچنے والی معلومات یا ان خانوادوں کا تذکرہ جنھیں یکے بعد دیگرے قبیلۂ قریش کی سرداری حاصل رہی، یا سدِ مآرب کے ٹوٹ جانے کا واقعہ جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے، وغیرہ۔ ان چیزوں کے بارے میں ان کی زبانی روایات تحریری نوشتوں کا متبادل بن گئی تھیں۔ لوگ انھیں سنتے، یاد رکھتے اور دوسروں کو سناتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے ظہور سے تاریخ کا ایک نیا سرچشمہ منظرِ عام پر آیا اور وہ تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، حیاتِ طیبہ اور اس کی سرگرمیوں (اللہ کی راہ میں جہاد، مشرکین اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ٹکراؤ، توحید کی دعوت اور اس پر زبانی اور مسلح مخالفتوں کے اثرات وغیرہ) سے متعلق صحابہ کرام کے بیانات۔ یہ چیزیں اولاً تاریخ کا، ثانیاً سیرت کا مواد بنیں۔

خلفائے راشدین کے عہد میں تاریخِ عرب یا سیرت سے متعلق کوئی چیز مدون نہیں ہوئی۔ اس مدت میں صرف قرآن کریم اور نحو کے چند قواعد کی تدوین ممکن ہو سکی تھی۔ حفاظتِ قرآن کی خواہش نے صدرِ اول کے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی، اسے ضبطِ تحریر میں لے آئیں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے حدود وسیع ہوئے اور عرب کا عجم سے اختلاط ہوا تو عربی زبان کو عجمی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے نحو کی تدوین عمل میں آئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت میں تالیف کا آغاز

حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں خواہش کی کہ تاریخ کی ایک کتاب مرتّب کی جائے۔ انھوں نے صنعاء سے عَبید بن شَریہ جرہمی کو بلایا جنھوں نے ان کے لیے ملوک کے تذکرہ اور ماضی کے اہم واقعات پر مشتمل ایک کتاب تیار کی۔ اس کے بعد متعدّد اہلِ علم نے علمِ تاریخ کی جانب ایک مخصوص پہلو سے توجہ کی اور وہ پہلو ہے سیرتِ رسول کا۔ انھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے عہد تک، قرآن و حدیث کے باہم اختلاط کے اندیشے سے، احادیث کی تدوین سے روک دیا گیا تھا[1]۔ اس لیے انھیں آں حضرت کی سیرت نگاری کے ذریعے ایک ایسی چیز ہاتھ آئی جس کے ذریعہ وہ آپؐ سے اپنے قلبی تعلق اور آپ کے آثار کو زندہ جاوید بنانے کی خواہش کا اظہار کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے، جو سب کے سب محدّث تھے، سیرت پر کتابیں تالیف کیں۔ سطورِ ذیل میں ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

عروہ بن الزبیر بن العوّام

فقیہ، محدّث، ان کے باپ حضرت زبیرؓ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اس عالی نسبی کی بنا پر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے واقعات اور احادیث روایت کی ہیں اور صدرِ اسلام کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اصحابِ سیر میں سے ابنِ اسحاق، واقدی اور طبری نے ان سے کثرت سے روایات لی ہیں۔

---

[1] احادیث کو لکھنے کی ممانعت عہدِ نبوی کے ابتدائی دور میں تھی۔ بعد میں خود اللہ کے رسولؐ نے اس کی اجازت دے دی تھی اور متعدّد صحابہ نے احادیث کے مجموعے تیار کرلیے تھے۔ البتہ تدوینِ حدیث کا حکم سرکاری طور پر حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں دیا۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھئے السنۃ قبل التدوین۔ د۔ محمد عجّاج خطیب اور صحیفۂ ہمام بن منبہ پر "حدیثِ نبوی کی تدوین و حفاظت" کے عنوان سے ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا بیش قیمت دیباچہ۔ طبع جدید کراچی ۱۹۹۸ء (مترجم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص طور سے ہجرتِ حبشہ، ہجرتِ مدینہ اور غزوۂ بدر کے ضمن میں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عروہ کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی۔

ابان بن عثمان بن عفانؓ المدنی متوفی ۱۰۵ھ

انھوں نے سیرت میں متعدد کتابیں تالیف کیں جن میں حیاتِ رسول کے واقعات جمع کیے۔

وہب بن منبہ الیمنی متوفی ۱۱۰ھ

انھوں نے مغازی پر ایک کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کا کچھ حصہ ہیڈلبرگ (جرمنی) میں محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جنھیں سیرت نگاری کا شرف حاصل ہے۔ ان میں سے بعض دوسری صدی ہجری کے ربع اول کے ختم ہونے ہوتے وفات پا گئے مثلاً شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ) اور بعض کی وفات اس کے چند سال بعد ہوئی مثلاً عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۵ھ) مذکورہ بالا چاروں حضرات نے مغازی اور ان کے متعلقات پر بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔

کچھ سیرت نگار دوسری صدی ہجری کے وسط یا اس کے چند سال بعد تک زندہ رہے۔ مثلاً موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) معمر بن راشد (م ۱۵۰ھ) اور امام اہلِ السیر محمد بن اسحاق (م ۱۵۲ھ)۔

دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں بھی بعض اہلِ سیر کو شہرت ملی۔ مثلاً زیاد البکائی (م ۱۸۳ھ) واقدی صاحب المغازی (م ۲۰۷ھ) محمد ابن سعد مؤلف الطبقات الکبریٰ (م ۲۳۰ھ) اور ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) ابن ہشام نے سیرتِ ابن اسحاق کی تہذیب و تنقیح کا کام کیا۔ چنانچہ وہ انھی کے نام سے مشہور ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت نگاری کے مختلف ادوار

سیرت پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ آج تک منقطع نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ موضوع فی نفسہ ایسا نہیں جو تجربات پر مبنی یا دلیل و برہان پر قائم ہو اور اس کی حیثیت ان سائنسی نظریات کی سی نہیں جن میں اہلِ علم زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تجدید یا تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ ایسا علم ہے جس کی بنیاد نقل و روایت پر ہے۔

اس فن سے اشتغال رکھنے والے ابتداءً میں محدثین اور راویانِ حدیث و سیرت تھے۔ بعد کے لوگوں نے جمع و تبویب کا کام کیا۔ پھر نقد و تعلیق کا مرحلہ آیا، جیسا کہ ابن ہشام نے سیرت ابن اسحاق میں کیا ہے۔

اس طرح یہ سرمایہ متاخرین تک اس شکل میں پہنچا کہ اس کے جوہر میں کسی نئی چیز کا اضافہ ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ جو کچھ محنت کی گئی وہ بس ظاہری شکل و صورت میں تھی۔ اس عہد کے سیرت نگاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک گروہ نے متقدمین اصحابِ سیر کی کتابوں کے زیرِ سایہ کام کیا۔ ان کی شرحیں لکھیں، خلاصے تیار کیے یا انھیں منظوم کیا، تاکہ انھیں آسانی سے یاد کیا جا سکے۔ دوسرے گروہ نے خود کو طبع زاد مصنفین کی حیثیت سے پیش کیا۔ انھوں نے قدیم کتبِ سیرت اکٹھا کیں اور ان کی روشنی میں ایسی کتابیں تالیف کیں جو بظاہر تو ان کی اپنی معلوم ہوتی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مواد ان سے پہلے کے متعدد مصنفین پیش کر چکے تھے۔

موخر الذکر گروہ میں سے درج ذیل اصحابِ سیر قابلِ ذکر ہیں:

ابن فارس اللغوی[1]۔ ۳۹۵ھ میں رے میں وفات پائی۔

محمد بن علی بن یوسف الشافعی الشامی (م ۶۰۰ھ)

ابن ابی طیّ یحییٰ بن حمید (م ۶۳۰ھ)

ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی (م ۶۹۴ھ)

علاء الدین علی بن محمد الخلاطی الحنفی (م ۷۰۸ھ)

---

[1] دار الکتب المصریہ قاہرہ میں سیرت ابن فارس کے دو مخطوطے موجود ہیں۔ دیکھیے نمبر ۲۶۱م، ۱۹۴م تاریخ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن سیّد الناس البصری الشافعی[1] (پ ۶۶۱ھ، م ۷۳۴ھ)

شہاب الدین الرُّعینی الغرناطی[2] (م ۷۷۹ھ)

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر الاندلسی[3] (م ۷۸۰ھ)

محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۴۲ھ) صاحب السیرۃ الشامیہ[4]

علی بن برہان الدین (پ ۹۷۵ھ، م ۱۰۴۴ھ) صاحب السیرۃ الحلبیہ[5]

اول الذکر گروہ میں سے درج ذیل سیرت نگاروں کو شہرت ملی۔

سُہیلی (م ۵۸۱ھ)
ابوذر خُشَنی (م ۶۰۴ھ)
} دونوں نے سیرتِ ابن ہشام کی شرح کی ہے۔

قطب الدین عبدالکریم الجاعیلی[6] (م ۷۳۵ھ) جنھوں نے سیرتِ محمد بن علی بن یوسف کی شرح کی ہے۔

قاسم بن قطلوبغا، جنھوں نے سیرت مغلطائی[7] کی تلخیص کی ہے۔

---

[1] ابن سید الناس کی کتاب کا نام "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے کئی مخطوطے ہیں۔

[2] سیرت پر ان کا کتابچہ "رسالۃ فی السیرۃ والمولد النبوی" کے نام سے ہے جو دارالکتب المصریہ میں بصورت مخطوطہ موجود ہے۔ نمبر ۹۴۲ مجامیع، تاریخ۔

[3] ان کی تصنیف کا نام بھی "رسالۃ فی السیرۃ والمولد النبوی" ہے اور وہ مذکورہ بالا رسالہ (حاشیہ نمبر ۲) کے ساتھ ایک مجموعہ میں دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

[4] اس کا نام "سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد.... الخ" ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک مخطوطہ چار اجزاء پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے مخطوطے میں دو صرف اجزاء (سوم اور پنجم) ہیں۔

[5] اس کتاب کا نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے۔ دارالکتب المصریہ میں اس کے ایک سے زائد مخطوطے ہیں۔

[6] اس کتاب کا نام "المورد العذب الہنی فی الکلام علی سیرۃ عبدالغنی" ہے۔

[7] حافظ علاء الدین مغلطائی کی ولادت ۶۸۹ھ اور وفات ۷۶۲ھ میں ہوئی۔ سیرت وتاریخ کے موضوع پر ان کی کتاب کا نام ہے: "الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وآثار من بعدہ من الخلفاء" اس میں انھوں نے عباسی =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عزالدین ابن عمر الکنانی۔

ابو الحسن علی بن عبداللہ بن احمد السمہودی۔ ۹۱۱ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

سیرت نبوی کو منظوم شکل میں پیش کرنے والوں میں عبدالعزیز بن احمد المعروف بسعد الدیرینی (م ۶۰۷ھ تقریباً) ابو نصر فتح بن موسیٰ القصری (م ۶۶۳ھ) اور ابن الشہید (م ۷۹۳ھ) معروف ہیں۔

کتبِ میلاد کی تالیف

سیرت میں ایک دوسرے انداز پر بھی کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور وہ ہے تلخیص کا انداز۔ یہ تلخیص حیاتِ نبوی کے ایک ... پہلو سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں آپ کی ولادت اور اس سے متعلق واقعات، ولادت سے قبل غیبی اشارے، آپ کا بچپن، اس میں ظاہر ہونے والے خارقِ عادت واقعات، آپ کی ماقبلِ نبوت زندگی، آپ کے پاکیزہ اخلاق، اچھے اوصاف اور ان کاموں سے دوری، جن کے، اس عمر کے نوجوان رسیا ہوتے ہیں، وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔

اس اندازِ تالیف کو "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی کا مختصر بیان اور مابعدِ رسالت زندگی پر اچٹتی نظر" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ اسے "میلادِ نبوی" کا نام دیتے ہیں۔ مذہبی لوگوں نے اس قسم کی چیزیں تیار کر رکھی ہیں تاکہ انھیں ہر سال ماہِ ربیع الاول میں مساجد اور دینی جلسوں میں پیش کریں۔ اس موضوع پر بے شمار رسائل اور کتابیں تالیف کی گئی ہیں۔

سیرت نگاری تنقیدی نقطۂ نظر سے

متقدّمین کے علمی سرمایہ، خاص طور پر سیرت نگاری سے تعلق رکھنے والے سرمایہ کو، شاید تقدیس کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قدیم مؤلفینِ سیرت کی طرح بعد کے مصنّفین بھی اس علم کے سلسلے میں مطلوبہ رویّہ نہیں اپنا سکے ہیں۔

= عہدِ حکومت ۶۵۶ھ تک کے حالات بیان کیے ہیں. دار الکتب المصریہ میں اس کے ایک سے زائد مخطوطے پائے جاتے ہیں.

۷۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے کتبِ سیرت میں مذکور بعض بعید از حقیقت واقعات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے نہ ان کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔

قدیم کتبِ سیرت کی جن لوگوں نے تلخیص کی ہے اور ان کے مختصرات تیار کیے ہیں، انھوں نے بعض واقعات کو حذف کر دیا ہے۔ شاید اس سے ان کا مقصد کتاب کا حجم کم کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ ان واقعات کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

سیرت نگاری کا فن اپنے گزشتہ تمام ادوار میں تنقیدی نقطۂ نظر سے محروم رہا ہے۔ البتہ ماضی قریب میں یہ خیال راسخ ہوا ہے کہ سیرت میں متعدد ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جو سراسر من گھڑت ہیں۔ اس خیال کا پوری جرأت سے اظہار کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اقدامات کیے گئے ہیں۔ اہلِ قلم نے ایک نیا انداز اختیار کیا ہے۔ وہ سیرت سے ایک یا دو ایسے واقعات منتخب کرتے ہیں جن کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا آپ کے قابلِ احترام متعلّقین پر زبان طعن دراز کی جاتی ہے۔ ان واقعات میں جو من گھڑت باتیں شامل کی گئی ہیں انھیں وہ الگ کرتے ہیں اور دلائل و براہین کے ساتھ انھیں اس طرح نکھار کر پیش کرتے ہیں کہ وہ خود ان طعن کرنے والوں کے خلاف حجّت ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر استاذ امام شیخ محمد عبدہٗ نے حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ نکاح، پھر ان کے طلاق دینے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے واقعہ کی تنقیح کی ہے اور ان موضوع اور بے بنیاد روایات کی تغلیط کی ہے جو اس واقعہ کے ضمن میں نقل کی گئی ہیں اور جن کی بنیاد پر دشمنوں نے ذاتِ نبوی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔

بعض لوگوں نے ابنِ اسحاق کا اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ انھوں نے زمانی ترتیب سے سیرت کے واقعات بیان کیے ہیں۔ کتاب کا آغاز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور اس سے قبل کے واقعات سے کیا ہے۔ پھر سال بہ سال آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات ذکر کیے ہیں۔ البتہ انھوں نے صرف وہی واقعات نقل کیے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح تھے، اور جو چیزیں ان کے فکر و عقیدہ سے میل نہ کھاتی تھیں انھیں غلط قرار دیا ہے، ان کو بنیاد بنا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طعن کرنے والوں کے دعووں کی تردید کی اور جھوٹی باتیں بنانے والوں کا رد کیا ہے۔

سیرت اور تاریخ کو جمع کرنے والے مؤلّفین

کچھ دیگر مؤلّفین ایسے ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں سیرتِ رسول کے ساتھ مابعد زمانوں میں پیش آنے والے واقعات وحادثات بھی بیان کیے ہیں. گویا ان میں سیرت نگاری بذاتہٖ مقصود نہیں رہی ہے بلکہ وہ عام تاریخ کے سلسلہ کی ایک کڑی کی حیثیت سے شامل ہے۔ بعض مؤلّفین نے اس کا آغاز ابتدائے آفرینش سے کیا ہے، مثلاً ابن جریر طبری، جبکہ بعض نے حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقطۂ آغاز بنایا ہے مثلاً امام حافظ ابوشجاع شیرویہ مؤلف "ریاض الانس" متوفی ۵۰۹ھ۔

سیرتِ ابن اسحاق کی تالیف کا سبب

ابن اسحاق دوسری صدی ہجری کے عمائدین میں سے تھے۔ زمانۂ گذشتہ کے حالات وواقعات کے بارے میں وہ وسیع علم اور تفصیلی معلومات رکھتے تھے۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ وہ بغداد (یا حیرہ) میں عباسی خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اس کا بیٹا مہدی بھی وہاں موجود تھا منصور نے کہا، "ابن اسحاق، جانتے ہو یہ کون ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "ہاں یا امیر المومنین کے صاحب زادے ہیں"۔ منصور نے کہا: "جاؤ اس کے لیے ایک کتاب لکھو جس میں حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر آج تک کے حالات درج ہوں"
ابن اسحاق نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں کتاب لکھ کر پیش کی تو اس نے کہا: ابن اسحاق آپ نے تو بہت پھیلا دیا، اس کو مختصر کر کے لائیے"۔ ابن اسحاق نے اس کی تلخیص تیار کر کے حاضرِ خدمت کی اور مفصّل کتاب کو شاہی کتب خانہ میں رکھ دیا گیا۔[1]
بعض محققین کا خیال ہے کہ ابن اسحاق نے یہ کتاب خلیفہ کے حکم سے

---

[1] ایک خیال یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق کے اصل نسخہ سے منقول ایک نسخہ مکتبہ کوپریلی آستانہ استنبول میں محفوظ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھی ہے[۱] اور نہ اس کی تصنیف بغداد یا حیرہ میں عمل میں آئی ہے۔ بلکہ اسے اس نے عباسی حکمرانوں کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے مدینہ میں تالیف کیا ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ وہ تمام لوگ جن سے ابن اسحاق نے روایت کی ہے، مدنی یا مصری ہیں۔ ان میں سے کسی ایک شخص کا بھی تعلق عراق سے نہیں ہے۔ ابراہیم بن سعد جنھوں نے اس کتاب کی روایت ابن اسحاق سے کی ہے، وہ بھی مدنی ہیں یہی نہیں بلکہ کتاب میں بعض ایسے واقعات مذکور ہیں جن کی روایت عباسی حکمران کبھی پسند نہ کرتے، مثلاً غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ کی کفار کے ساتھ شرکت اور مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی گرفتاری۔ اس واقعہ کو ابن ہشام نے بعد میں عباسیوں کے خوف سے حذف کر دیا تھا۔

سیرتِ ابن ہشام اور طبری اور دیگر مورخین کی کتابوں میں موجود اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرتِ ابن اسحاق تین اجزا پر مشتمل تھی: مُبتدا، مبعث اور مغازی مبتدا میں عہدِ جاہلیت کی تاریخ بیان کی گئی تھی۔ اس میں چار فصلیں تھیں پہلی فصل میں گزشتہ انبیاء ورسل کا تذکرہ، دوسری میں عہدِ جاہلیت میں یمن کی تاریخ، تیسری میں عربی قبائل اور ان کی مذہبی رسوم کی تاریخ اور چوتھی میں مکہ کی تاریخ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کا تذکرہ تھا۔ اس جزء میں ابنِ اسحاق نے واقعات کی اسناد شاذو نادر ہی بیان کی ہیں اور اساطیر وخرافات اور اسرائیلیات نقل کی ہیں۔

دوسرے جزء (مبعث) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور ہجرت کا بیان ہے۔ اس میں مولّف انفرادی واقعات بیان کرنے سے پہلے ان کا ایک جامع خلاصہ بیان کرتا ہے، مکمل فہرستیں پیش کرتا ہے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست، حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی فہرست، اہلِ مکہ کے اسلام قبول کر لینے کی خبر پا کر حبشہ سے لوٹ آنے والے مسلمانوں کی فہرست وغیرہ، اسی طرح وہ واقعات بیان کرنے میں زمانی ترتیب کا خیال رکھتا

---

[۱] دیکھئے جوزف ہورووتس کی کتاب "سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین"۔ عربی ترجمہ ڈاکٹر حسین نصار صفحہ ۶۹ وما بعد (اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نقوش رسول نمبر جلد اول صفحہ ۷۶۰-۷۶۱۔ مترجم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور واقعات کی سندیں بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق کا تیسرا جزء (مغازی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی مؤلف پہلے مشتملات کا ایک جامع خلاصہ بیان کرتا ہے، پھر کسی واقعہ کے سلسلے میں وہ تمام اقوال نقل کرتا ہے جو اس نے راویوں سے اخذ کیے ہیں۔ آخر میں وہ معلومات پیش کرتا ہے جو اس نے خود مختلف مصادر سے حاصل کی ہیں۔ اس جزء میں بھی مختلف غزوات کے سلسلے میں فہرستوں کی کثرت ہے۔ مؤلف نے اسانید اور زمانی ترتیب کا التزام کیا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق میں ابن ہشام کا کام

پھر اللہ تعالیٰ نے ابن اسحاق کی اس علمی کاوش پر مزید کام کرنے کی توفیق ایک ایسے شخص کو دی جو اس کا اہل تھا۔ یعنی ابن ہشام المعافری۔ انھوں نے اس کے جمع و تدوین کی خدمت انجام دی، اس کا خلاصہ کیا اور اُن پر نقد اور استدراک کیا۔ کوئی روایت ابن اسحاق سے رہ گئی تھی تو اسے درج کیا۔ کچھ واقعات کا ذکر نہیں تھا تو ان کا اضافہ کیا۔ سیرت ابن ہشام کی ابتداء میں درج اس عبارت سے ابن ہشام کے اندازِ تالیف کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے:

> "میں انشاء اللہ اس کتاب کا آغاز حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے تذکرہ سے کروں گا۔ اس کے بعد ایک ترتیب سے، ان کی نسل میں سے ان لوگوں کا ذکر کروں گا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق تھا، اور ان کے حالات بیان کروں گا۔ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے ان لوگوں کا تذکرہ چھوڑ دوں گا جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق نہ ہوگا۔ ایسا میں اختصار کے پیشِ نظر کروں گا۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں بعض ایسی چیزیں بھی بیان کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں نہ ان کے بارے میں قرآن میں کچھ نازل ہوا ہے اور نہ وہ سیرت سے متعلق کسی واقعہ کا سبب تشریح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا دلیل ہیں۔ انھیں میں نے اختصار کے پیشِ نظر حذف کر دیا ہے۔
انھوں نے کچھ ایسے اشعار نقل کیے ہیں جن سے شاعری میں درک
رکھنے والا کوئی شخص واقف نہیں ہے۔ کچھ ایسی باتیں ذکر کی ہیں
جو ناشائستہ ہیں یا ان کا تذکرہ بعض لوگوں کو ناگوار ہوگا یا بکّائی
نے ان کی روایت کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ میں نے ایسی تمام
چیزیں حذف کر دی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر باتوں کا انشاء اللہ
استقصاء کروں گا۔"

اقتباس بالا سے واضح ہے کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی سیرت سے حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک انبیاء کی تاریخ اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب میں نہ آنے والوں کا تذکرہ حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے وہ واقعات خارج کر دیے ہیں جو ان کے نزدیک ناقابلِ بیان تھے اور وہ اشعار بھی نکال دیے ہیں جو ان کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہ پہنچتے تھے۔ دوسری طرف انھوں نے بہت سی معلومات اور افکار کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح یہ کتابِ سیرت ان کے نام سے معروف اور ان سے منسوب ہوگئی، یہاں تک کہ لوگ اس کے پہلے مؤلف ابن اسحاق کو بھول گئے۔

سُہیلی اور دیگر شارحینِ سیرت ابن ہشام

پھر ابو القاسم عبد الرحمٰن السہیلی (م ۵۸۱ھ) نے اس کتاب میں دلچسپی لی۔ انھوں نے اس پر ایک نئے انداز اور دوسرے نہج سے کام کیا۔ اس کی حیثیت اس کی شرح اور تعلیق کی ہے۔ انھوں نے ابن اسحاق اور ابن ہشام کی کاوشوں کی روشنی میں اپنی کتاب "الروض الأنُف" تالیف کی۔ انھوں نے ان دونوں کے بیانات کی تحقیق کی۔ پھر ان کی شرح کی اور ان پر اضافہ کیا۔ اس طرح ان کا کام سیرت پر ایک نئی کتاب کی حیثیت سے سامنے آیا جو اپنے حجم اور اقوال و روایات کی کثرت کے اعتبار سے گزشتہ دونوں کتابوں سے مختلف تھی اور اس سے زیر بحث موضوع میں مؤلف کی مہارت اور وسعتِ معلومات کا اظہار ہوتا تھا۔

٭٭٭

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سہیلی کے مثل غالبًا بدرالدین محمد بن احمد العینی الحنفی (م ۸۵۵ھ) کا بھی کام تھا۔ انھوں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ہشام" تالیف کی جس سے وہ ۸۰۵ھ میں فارغ ہوئے۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ یا اس سے تفصیلی واقفیت دشوار ہے۔

اس سلسلے میں ابوذر الخُشَنی کی کاوش کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے سیرت ابن اسحاق پر قابلِ قدر کام کیا ہے۔ اس کے غریب الفاظ کی شرح کی ہے اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی سے بھی غافل نہیں رہے ہیں۔ خشنی اور سہیلی کے کاموں کو ابن اسحاق اور ابن ہشام کے عظیم الشان کام کا تکملہ کہا جاسکتا ہے۔

سیرتِ ابن اسحاق کی تلخیص کرنے والے

مابعد ادوار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ان حضرات کے علمی مرتبہ کا ہو اور اس نے اس کتاب کی نئے انداز سے شرح یا تعلیق کی ہو۔ لوگوں کا میلان اس کتاب کا اختصار یہ تیار کرنے کی طرف ہوگیا۔ مثلاً برہان الدین ابراہیم بن محمد المرحّل الشافعی (م ۷۳۸ھ) نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا۔ اپنی اس تیار کردہ کتاب کو انھوں نے اٹھارہ مجلسوں (ابواب) میں تقسیم کیا اور اس کا نام "الذخیرۃ فی مختصر السیرۃ" رکھا۔ اس کی تالیف سے وہ ۶۱۱ھ میں فارغ ہوئے۔ ان کے بعد عماد الدین ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن الواسطی (م ۷۱۱ھ) نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور اس کا نام "مختصر سیرۃ ابن ہشام" رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تالیف سے وہ ۷۱۱ھ میں فارغ ہوئے۔

سیرتِ ابن اسحاق کو منظوم کرنے والے

ان لوگوں کے بعد شعراء کا گروہ آتا ہے۔ ان کی کوششیں بس یہ رہیں کہ اس کتاب کو ایک نئے قالب یعنی اشعار میں ڈھال دیں۔ اس گروہ میں درج ذیل لوگ آتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابومحمد عبدالعزیز بن محمد بن سعید الدمیری الدّیرینی (م ۶۰۷ھ تقریباً)
ابونصر فتح بن موسیٰ بن محمد نجم الدین المغربی الخفزاوی (م ۶۶۳ھ)
ابوبکر محمد بن ابراہیم بن محمد النابلسی المعروف بابن الشہید (م ۷۹۳ھ) مؤلف "الفتح القریب"
ابواسحاق الانصاری التلمسانی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب کو کس قدر مقبولیت حاصل رہی ہے اور اس پر کس کس پہلو سے کام ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن اسحاق اپنے بعد فنِ سیرت سے اشتغال رکھنے والے تمام مؤلفین کا مرجع رہے ہیں۔ بجاطور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ابن اسحاق کے بعد سیرت میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں سب کے مؤلفین نے ان کی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس کلیہ سے صرف ایک دو مصنفین مثلاً واقدی اور ابن سعد کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

سطورِ ذیل میں چار مؤلفینِ سیرت کے حالاتِ زندگی پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے اور وہ ہیں:۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، سہیلی اور ابوذر۔

ابن اسحاق

ابن اسحاق کا سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (یا ابن کوثان) المدنی القُرشی۔ ان کی کنیت ابوبکر اور ابوعبداللہ تھی۔ وہ قیس بن مخرمہ بن المطلب بن عبد مناف کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے دادا یسار عین التمر کے قیدیوں میں سے تھے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جو انبار کے قریب کوفہ کے مغرب میں، صحرا کے کنارے آباد تھا۔ مسلمانوں نے اسے حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں فتح کیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے عین التمر کے کنیسہ میں ابن اسحاق کے دادا کو ان لڑکوں کے درمیان پایا تھا جو کسریٰ کے اسیر تھے۔ اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی اسحاق الحضرمی النحوی کا دادا اور کلبی عالم کا دادا تھا۔ وہاں سے یسار مدینہ لایا گیا۔

ابن اسحاق کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔ کتبِ تاریخ اس کے سن ولادت ۸۵ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ترجیح دیتی ہیں۔ اس کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے البتہ تمام اقوال ۱۵۰ھ اور ۱۵۳ھ کی درمیانی مدت کے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابن اسحاق نے اپنی جوانی کے ایام مدینہ میں گزارے۔ سوانح نگاروں نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ ایک خوب رو، نوجوان تھے۔ ان کا چہرہ پرکشش، جسمانی بناوٹ ایرانی اور بال خوبصورت تھے۔ ان کے عہد شباب اور اس کی ترنگ کے بارے میں ابن ندیم نے نقل کیا ہے (اگر یہ روایت صحیح ہو) کہ مدینہ کے گورنر تک یہ بات پہنچی کہ محمد بن اسحاق عورتوں سے عشقیہ باتیں کرتے ہیں۔ اس نے انھیں بلوا کر کوڑے لگوائے اور مسجد کے پچھلے حصے میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔

ابن اسحاق مدینہ کی رہائش ترک کر کے مختلف شہروں میں گھومتے رہے۔ غالباً ان کا اسکندریہ کا سفر (جو ۱۱۵ھ میں ہوا تھا) پہلا سفر تھا۔ وہاں انھوں نے متعدد مصری اصحاب علم سے روایات لیں، مثلاً عبید اللہ بن المغیرہؒ، یزید بن حبیبؒ، ثمامہ ابن شفیؒ، عبید اللہ بن ابی جعفرؒ، قاسم بن قزمانؒ، سکن بن ابی کریمہؒ۔ ابن اسحاق ان حضرات سے بعض احادیث کی روایت میں منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی نے انھیں روایت نہیں کیا ہے۔

پھر وہ کوفہ، جزیرہ، رے، حیرہ اور بغداد گئے اور غالباً اخیر میں انھوں نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہاں انھوں نے منصور کے دربار میں حاضری دی اور اس کے بیٹے مہدی کے لیے سیرت کی کتاب تالیف کی (جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔) ان شہروں میں ابن اسحاق کے شاگردوں کی تعداد ان کے مدینہ کے شاگردوں سے زیادہ ہے۔ بلکہ معروف یہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے صرف ابراہیم بن سعد نے ان سے روایت لی ہے۔ بغداد میں قیام ہی کے دوران ابن اسحاق کا انتقال ہوا اور مقبرہ خیزران میں تدفین ہوئی۔

ابن اسحاق کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب اگر بعض لوگوں نے ان کی تنقیص میں مبالغہ سے کام لیا ہے تو دوسری جانب بعض دوسرے لوگوں نے خوب بڑھا چڑھا کر ان کی مدح سرائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہے۔ مثلاً امام مالک بن انسؒ اور ہشام بن عروہ بن الزبیرؒ نے انھیں اہلِ صدق وصفا اور ثقہ محدثین کی صف سے خارج کر دیا ہے اور انھیں کذب اور دجل وفریب سے متّہم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان پر تدلیس کرنے، قدریہ جیسا عقیدہ رکھنے، شیعیت کی جانب میلان رکھنے، غیر ثقہ راویوں سے نقل کرنے، اشعار گھڑ کر اپنی کتاب میں شامل کرنے اور انساب میں غلطی کرنے جیسے الزامات بھی لگائے گئے ہیں۔ دوسری جانب متعدد ائمۂ عظام مثلاً ابن شہاب زہریؒ، شعبہ بن الحجاجؒ، سفیان ثوریؒ، زیاد بکائیؒ وغیرہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان پر مذکورہ الزامات میں سے کوئی الزام نہیں لگاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان پر اعتراض اور تنقیص کرنے والوں کے اقوال بے غرض اور مبنی بر صواب نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ امام مالک بن انسؒ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور ان کے علم پر بھی تنقید کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: "میرے پاس مالک کی کتابیں لاؤ، میں اس کی خامیوں کی نشاندہی کردوں۔ ان کو پرکھنے والا تو میں ہوں" اس بنا پر امام مالکؒ ان کے درپے ہو گئے اور ان کے عیوب ڈھونڈنے لگے۔ ان دونوں کے درمیان اس طرح کی کلامی جنگ برپا رہتی تھی۔

ہشام بن عبدالملک ابن اسحاق سے اس بنا پر ناراض تھے کہ وہ اس کی بیوی سے روایت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے اور ہشام کے خیال میں روایت کے لیے رؤیت ضروری ہے، جبکہ وہ اپنی بیوی کو اتنے پردے میں رکھتا تھا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ ہشام کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ روایت پردہ کی اوٹ سے ہو سکتی ہے۔ یا ممکن ہے ابن اسحاق نے اپنی نوعمری میں اس سے روایت لی ہو، پھر اس میں کیا مضائقہ ہے، جب کہ اس کی بیوی ابن اسحاق سے ۳۷ سال بڑی تھی۔ اس بنا پر ابن اسحاق نے جب اس سے روایت لی ہوگی اس وقت اس کی (یعنی ہشام کی بیوی کی) عمر پچاس سال سے کم نہ ہوگی۔ مزید برآں اس زمانے میں کسی مرد کا کسی عورت سے روایت کرنا کوئی عجیب وغریب بات بھی نہ تھی۔

ابن اسحاق پر جو دوسرے الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان کے سلسلے میں خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" اور ابن سید الناس نے "عیون الاثر" میں دو فصلیں منعقد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہیں اور ان تمام الزامات کا جواب دیا ہے۔

ان پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے لیے اشعار گھڑے جاتے تھے اور ان سے انھیں اپنی کتاب میں شامل کرنے کو کہا جاتا تھا اور وہ انھیں شامل کر لیتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اعتراض بجا ہے۔ ابن اسحاق کو اشعار سے واقفیت کم تھی۔ وہ صحیح غلط ہر طرح کے اشعار قبول کر لیتے تھے۔ اگر انھوں نے اپنے ذوق کو حکم بنایا ہوتا اور اشعار پر تنقیدی نظر ڈالی ہوتی تو اپنی کتاب میں بہت سے ایسے اشعار شامل نہ کرتے جن کے بارے میں گمان غالب یہ ہے کہ وہ موضوع ہیں اور اس طرح وہ اس شدید تنقید سے محفوظ رہتے جس کا مؤلفینِ سیرت ہر زمانہ میں انھیں نشانہ بناتے آئے ہیں۔

ان کے بارے میں ابن عدی کی یہ بات بالکل صحیح ہے:

> "ابن اسحاق کی فضیلت کے لیے ان کا صرف یہ کام کافی ہے کہ انھوں نے بادشاہوں کی توجہ بے مصرف کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی، مبعث اور ابتدائے آفرینش سے بعثت تک کے واقعات کی طرف موڑ دی۔ میں نے ان کی روایت کردہ بہت سی احادیث دیکھی ہیں۔ میں نے ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں پائی جسے ضعیف قرار دیا جا سکے۔ بسا اوقات ان سے غلطیاں ہوئی ہیں اور کسی چیز میں وہ متہم ہوئے ہیں، لیکن ایسی غلطیاں دوسرے لوگوں سے بھی ہوئی ہیں۔

ابن اسحاق سے ثقہ راویوں اور ائمہ حدیث نے روایتیں لی ہیں۔ امام مسلمؒ نے متابعات میں ان سے حدیث روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ نے متعدد مقامات پر ان سے استشہاد کیا ہے۔ ان کی روایات سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہیں۔

ابن ہشام

ابن ہشامؒ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری بعض سوانح نگاران کا نسب معافر بن یعفر تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا قبیلہ بہت بڑا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے بہت سے افراد مصر آ گئے تھے۔ بعض لوگ ان کا نسب ذہل اور بعض سدوس تک لے جاتے ہیں۔ اس بارے میں کوئی قطعی رائے موجود نہیں ہے۔ یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے جس نے مختلف شہروں میں سکونت اختیار کی ہو اور اس شہر میں جہاں اس کا گھرانہ اور خاندان رہتا ہو، اسے مستقل رہائش کا موقع نہ ملا ہو۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ ان کا گھرانہ حسب و نسب کے اعتبار سے اس مرتبہ کا نہ تھا کہ لوگ ان کا شجرۂ نسب یاد رکھتے اور روایت کرتے۔

ابن ہشام نے بصرہ میں پرورش پائی، پھر مصر میں سکونت اختیار کی۔ سوانح نگار یہی بیان کرتے ہیں۔ ان دو شہروں کے علاوہ ان کے اور کہیں جانے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ ان کی زندگی صرف انہی دو شہروں میں محصور نہیں تھی۔ خاص طور پر ایسے زمانے میں جب علم سماعی طریقہ پر حاصل کیا جاتا تھا اور اس کی تحصیل کے لیے علماء دور دراز کے سفر کیا کرتے تھے۔

ابن ہشام کے سنہ وفات کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں ملتی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی جب کہ بعض دوسرے لوگ سنہ وفات ۲۱۳ھ قرار دیتے ہیں۔ جب تاریخ وفات کا یہ حال ہو تو تاریخ پیدائش کا قطعی علم کیونکر ہو سکتا ہے، جب کہ مصر ان کا وطن نہیں تھا اور غالب گمان یہ ہے کہ جہاں سے وہ مصر آئے تھے وہ بھی ان کا وطن نہیں تھا۔

ابن ہشام نحو اور عربی زبان کے امام تھے۔ ذہبیؒ اور ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ جب وہ مصر آئے تو امام شافعیؒ نے ان سے ملاقات کی اور دونوں نے ایک دوسرے کو اہل عرب کے بہت سے اشعار سنائے۔ اس کے باوجود یہ بات عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کتاب سیرت میں ابن اسحاق سے ایسے اشعار نقل کرتے ہیں جو بظاہر موضوع اور ناموزوں معلوم ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں اپنی کوئی قطعی رائے ظاہر نہیں کرتے اور اپنے شعری ذوق سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ انھیں نقل کر کے اس طرح کا جملہ لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں: "اشعار سے واقف لوگوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔"

ان کی ایک سے زائد فنون میں متعدد تصانیف ہیں۔ مثلاً سیرت ابن اسحاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پران کے کام کے علاوہ "شرح ما وقع فی اشعار السیر من الغریب" اور کتاب التیجان لمعرفۃ ملوک الزمان۔ مؤخر الذکر کتاب ابھی حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔[۱] سیرت ابن اسحاق پران کے کام کو غیر معمولی شہرت ملی اور وہ کتاب انھی کے نام سے معروف ہوئی۔ اس میں ان کا کام ابن اسحاق سے کم اہم نہیں ہے۔

سہیلی

سہیلی کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ بن الحسین ابن سعدون بن رضوان بن فتوح۔ ان کی کنیتیں ابوالقاسم، ابوزید اور (ایک قول کے مطابق) ابوالحسن بیان کی گئی ہیں۔ ان کے باپ اور دادا دونوں خطیب کے لقب سے مشہور تھے۔ باپ کی کنیت ابومحمد، دادا کی ابوعمرو اور پردادا کی ابوالحسن تھی۔ ان کی نسبتیں خثعمی، سہیلی، اندلسی اور مالقی معروف ہیں۔

"سُہیل" جس کی طرف ان کی نسبت ہے، اندلس میں مالقہ کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے[۲] اس میں کئی گاؤں آباد ہیں۔ ان میں سے ایک گاؤں میں سہیلی پیدا ہوئے۔ وہ اندلس میں طویل عرصے تک رہے۔ وہاں علم کے سرچشموں سے سیراب ہوئے اور مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ وہاں انھیں بلند مقام ملا۔ ان سے کسب فیض کے لیے لوگ دور دور سے آنے لگے۔ ان کی شہرت مراکش تک جا پہنچی تو وہاں کے حکمراں نے آپ کو طلب کیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے تو اس نے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا، آپ کی خوب خاطر مدارات کی اور آپ کو منصبِ قضا پر فائز کیا۔ آپ کی وجہ سے اس کا کردار قابلِ تعریف ہوگیا تھا۔ آپ کا قیام وہاں تین سال رہا اور وہیں وفات پائی۔

مراجع سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم سہیلی کی ولادت ۵۰۸ھ اور وفات ۵۸۱ھ

---

[۱] یہ تصنیف "کتاب التیجان فی ملوک حمیر" کے نام سے ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے چھپ چکی ہے۔ (مترجم)

[۲] صفدی نے "نکت الهمیان" میں لکھا ہے کہ "قریب کی پہاڑی سے پوری وادی نظر آتی ہے۔"
۴۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہوئی۔ ابن العماد حنبلی نے اپنی کتاب "شذرات الذہب" میں لکھا ہے کہ ان کی وفات شعبان ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ وہ بہتر برس کے تھے۔

سہیلی کی سب سے مشہور تالیف "الروض الانف" ہے۔ صفدی نے "نکت الہمیان" میں لکھا ہے: "یہ ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ اسے مصنف نے بہت اچھے طریقے پر تالیف کیا ہے۔ ابتداء میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کی تالیف میں انھوں نے ایک سو بیس[۱۲] سے زائد کتابوں سے مدد لی ہے"۔ ان کی دیگر تالیفات درج ذیل ہیں:

التعریف والإعلام بمانی القران من الأسماء والأعلام

نتائج النظر

مسألة رؤیة الله عزّ وجلّ ورؤیة النبی صلی الله علیه وسلم فی المنام

مسألة السرّ فی عور الدجّال

شرح آیة الوصیة

شرح الجمل۔ نامکمل

ان کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی ان کی تصانیف تھیں جن کی طرف سوانح نگاروں نے اشارہ کیا ہے مگر ان کے ناموں کی صراحت نہیں کی ہے۔

"الروض الانف" کے علاوہ ان کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ اس کی تالیف انھوں نے مراکش جانے سے قبل مالقہ میں کی تھی۔ اسے انھوں نے محرم ۵۶۹ھ میں املا کرانا شروع کیا تھا اور اس کی تالیف سے اسی سال جمادی الاولی میں فارغ ہوئے۔

سہیلی کی عظمت کے لیے یہی کتاب کافی ہے۔ اس سے مختلف اعتبارات سے ان کی وسیع و عمیق معلومات کا اظہار ہوتا ہے اور مختلف علوم وفنون میں ان کی مہارت ثابت ہوتی ہے۔ اس میں وہ مؤرّخ بھی نظر آتے ہیں اور ماہر لغت بھی۔ ادیب بھی نظر آتے ہیں اور نحوی بھی۔ محدّث بھی نظر آتے ہیں اور عالم قراءات بھی۔ مزید براں سہیلی شاعر بھی تھے۔ ان کے دعائیہ اشعار مشہور ہیں۔

ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ "سہیلی نے مجھے اپنے یہ اشعار سنائے اور فرمایا کہ" ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشعار کو پڑھ کر میں نے اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگا مجھے مل کر رہا"

يا من يرى ما في الضمير ويسمع — انت المعدّ لكل ما يتوقّع
يا من يرجّى للشدائد كلّها — يا من اليه المشتكى والمفزع
يا من خزائن رزقه في قول كن — امنن فانّ الخير عندك اجمع
مالي سوى قرعي لبابك حيلة — فلئن رددت فايّ باب اقرع
مالي سوى فقري اليك وسيلة — وبالافتقار اليك فقري ادفع
من ذا الذي ادعو واهتف باسمه — ان كان فضلك عن فقيرك يمنع
حاشا لمجدك ان تقنّط عاصيًا — الفضل اجزل والمواهب اوسع

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دل میں بھی جھانک لیتی اور دل کی باتیں بھی سن لیتی ہے۔ تو ہی تمام توقعات اور آرزوؤں کا مرجع ہے۔

اے وہ ذات جس کے تمام شدائد میں لو لگائی جاتی ہے، جس سے فریاد کی جاتی ہے اور جس کی پناہ چاہی جاتی ہے۔

اے وہ ذات جس کے رزق کے خزانے کلمۂ "کن" میں پوشیدہ ہیں۔ کرم کر۔ تمام خیر صرف تیری بارگاہ میں ہے۔

تیرا در کھٹکھٹانے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر میں تیرے در سے لوٹا دیا جاؤں تو پھر کون سا در کھٹکھٹاؤں گا؟

تیری محتاجی کے علاوہ میں کوئی ذریعہ نہیں پاتا۔ تیرا محتاج بن کر ہی میں اپنا فقر دفع کر سکتا ہوں۔

اگر تو نے اپنے فقیر و محتاج پر اپنا فضل نہ فرمایا تو میں کس کو پکاروں گا اور کس کے نام کی دہائی دوں گا؟

تیری بزرگی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ تو کسی گناہ گار کو مایوس کر دے۔ تیرا فضل بے پایاں ہے اور تیری عطا و بخشش وسیع ہے۔

ابن العماد نے بھی درج بالا اشعار نقل کیے ہیں، پھر لکھا ہے کہ ان کے علاوہ بھی ان کے بہت سے اشعار ہیں۔ صفدی نے نکت الہمیان میں اور مقری نے نفح الطیب میں ان کے بعض قطعات درج کیے ہیں۔

سہیلی کی تالیفات پر ایک نظر ڈالنے سے ان کے اخلاقی رجحان کا پتہ چل جاتا ہے۔ انھوں نے دین کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور آخری لمحے تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اسی لیے ان کی نیکی، ورع اور تقویٰ لوگوں کے درمیان معروف تھا۔ وہ بڑے قناعت پسند بھی تھے۔ کفاف پر گزارا کرتے تھے۔

معروف ہے کہ وہ مالکی مسلک پر عامل رہے۔ ستر۷۰ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ علم القراءات متعدد اہلِ فن سے حاصل کیا اور سیبویہ کی کتاب پر ان سے مناظرہ بھی کیا۔

ابو ذر الخُشَنی

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن محمد بن مسعود بن عبداللہ بن مسعود الجیّانی الخُشَنی۔ وہ ابن ابی الرکب کے نام سے بھی معروف تھے۔

جَیّانی جیّان کی طرف نسبت ہے۔ یہ اندلس کے ایک وسیع علاقہ کا نام ہے جس میں بہت سے گاؤں ہیں۔ یہ البیرہ نامی علاقہ سے متصل، جوف کی جانب، قرطبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کے اور قرطبہ کے درمیان ستر۱۷ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ اور خُشَنی خُشَین کی جانب نسبت ہے۔ یہ اندلس کا ایک گاؤں تھا جہاں قبیلہ قُضاعہ کی ایک شاخ رہتی تھی۔ اس کے سربراہ کا نام خُشین بن النمر بن وبرہ بن تغلب تھا۔

معروف یہ ہے کہ ابوذر نے اپنا بچپن جیّان میں گزارا۔ وہیں اپنے والد سے اخذ و سماعت کی۔ پھر جب ان کے والد اپنی زندگی کے آخری ایام میں جیّان سے نقلِ مکانی کر کے غرناطہ چلے گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ (اس لیے کہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو ان کی عمر گیارہ سال تھی) پھر انھوں نے فاس کا سفر کیا اور وہاں ابو عبید اللہ النمیریؒ، ابوالحسن بن حسینؒ اور ابو عبداللہ ابن الرمامہؒ سے سماعت کی۔ اس کے بعد تلمسان تشریف لے گئے اور وہاں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن الحسن القرشیؒ اور ابو مروان عبیداللہ بن ہشام الحضرمیؒ سے کسبِ فیض کیا۔ پھر بجایہ کا رخ کیا اور وہاں ابوبکر بن رزقؒ، ابوالعباس الخزدبیؒ، ابواسحاق بن ملکونؒ اور ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن الاشبیلیؒ سے علم حاصل کیا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں شہروں کا سفر انھوں نے اسی ترتیب سے کیا تھا۔ ابن الآبار نے ان کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی ترتیب رکھی ہے۔ اگرچہ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ ترجیح موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسری ترتیب ہو تب بھی بہرحال اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر خشنی ان تینوں شہروں میں تشریف لے گئے تھے۔ پھر وہ اشبیلیہ وہاں کی مسجد کے خطیب کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے۔ خطابت کے ساتھ وہ وہاں عربی زبان کی تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے تھے اور طلبہ بڑی تعداد میں ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے۔ پھر وہ جیّان تشریف لے گئے تو انھیں منصب قضا پر فائز کیا گیا۔ وہ وہاں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے اور ان کے نزاعات اور خصومات کا تصفیہ کرتے تھے۔ پھر انھیں دوبارہ فاس کی یاد آئی تو جیّان سے وہاں منتقل ہو گئے۔ وہاں وہ عربی زبان اور حدیث کے استاد تھے۔ وہیں ان کی وفات ہوئی[۱]

اس تفصیل سے ابوذر خشنی کی یہ شخصیت ابھرتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے اور اس میں رسوخ پانے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور علم کے بڑے مرتبے پر فائز تھے۔ انھوں نے متعدد عہدوں پر رہ کر اپنی ذات سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ وہ اندلس میں عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے علم بردار تھے۔ مختلف ادبیات اور زبانوں سے واقف تھے۔ شاعر اور نقّاد تھے۔ عربوں کی تاریخ، واقعات، اشعار اور لغات پر دست رس رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ مختلف علوم وفنون میں ماہر، انھیں حفظ کرنے اور تحریری طور پر انھیں منتقل اور محفوظ رکھنے والا نہ تھا۔

سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن "شرح غریب سیرۃ ابن اسحاق" (جو طبع ہو چکی ہے) کے علاوہ ان کی اور کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ عروض پر ان کی ایک کتاب کا تذکرہ ابن الأبار نے کیا ہے لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ سیوطی نے "بغیہ" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جمع الجوامع" میں مذکور ہے کہ ان کی تصانیف میں سے ایک "الاملاء علی سیرۃ ابن ہشام" تھی۔ یہ تمام تصانیف حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔

ابوذر مالکی مسلک پر عمل پیرا تھے۔ باوقار، صاحب مروّت اور حیادار تھے۔ ان کی مجلس بڑی پر ہیبت رہتی تھی۔ سلف کے طریقہ پر عمل کرنے میں معروف تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو زیادہ سوالات کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ان سے زیادہ بارعب اور پُرہیبت کوئی اور شخصیت نہ تھی۔

مستشرق پولس برونل (P. BRONNLE) نے لکھا ہے کہ ابوذر خشنی کی ولادت ۵۳۳ھ (یعنی ان کے والد کی وفات سے گیارہ سال قبل) اور وفات ۶۰۴ھ میں ہوئی۔ ابن الابار نے بھی یہی سنہ وفات لکھا ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ ان کی وفات بروز دوشنبہ، ۱۱/شوال چاشت کے وقت ہوئی اور اسی دن عصر کے وقت عدوۃ القرویین، فاس میں تدفین ہوئی۔ سنہ ولادت کے بارے میں انھوں نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک ۵۳۵ھ اور دوسرا ۵۳۳ھ، اور اول الذکر کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ ابن العماد نے لکھا ہے کہ ابوذر کی وفات سترّ سال کی عمر میں ہوئی۔ اگر یہ بات صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی وفات شوال ۶۰۴ھ میں ہوئی تو ان کا سنہ ولادت ۵۳۵ھ ہی صحیح قرار پاتا ہے۔

مراجع

۱۔ بغیۃ الوعاۃ : جلال الدین سیوطی
۲۔ البدایہ والنہایۃ : ابن کثیر
۳۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ : جرجی زیدان
۴۔ تاریخ بغداد : خطیب بغدادی
۵۔ تہذیب التہذیب : ابن حجر عسقلانی
۶۔ حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ : جلال الدین سیوطی
۷۔ ضحی الاسلام : احمد امین
۸۔ الطبقات الکبریٰ : ابن سعد
۹۔ عیون الاثر فی المغازی والشمائل والسیر : ابن سید الناس
۱۰۔ فہرست : ابن ندیم
۱۱۔ کشف الظنون : ملا کاتب چلپی
۱۲۔ الکمال فی معرفۃ الرجال : ابن النجار
۱۳۔ معجم الادباء : یاقوت حموی
۱۴۔ معجم البلدان : یاقوت حموی
۱۵۔ معجم ما استعجم : بکری
۱۶۔ الوسیط : احمد اسکندری و مصطفی عنانی
۱۷۔ وفیات الاعیان : ابن خلکان

© rasailojaraid.com